# کایاپلٹ

ناول



نگہت سیمہ

# کایا پلٹ

از



نگہت سیما

## ناول کا آغاز

تمہاری حیرت بجا ہے۔

وہ مسکرائی۔

بات یقیناً حیرت کی ہی تھی۔ کہ وہ خالہ جی جنہوں نے بدر آپا کے رونے پیٹنے حتیٰ کہ بھوک ہڑتال تک کرنے کی پروا نہیں کی تھی۔ اسے بن کہے ہی یونیورسٹی میں داخل کروا دیا تھا۔

بات دراصل یہ ہے کہ۔۔۔ کیا تم خود نہیں سمجھ سکتیں کہ اصل بات کیا ہے عجیب بدھو ہو، جانے افسانے کیسے لکھ لیتی ہو۔ دراصل ۔۔۔ وہ تھوڑا سا میری طرف جھکی۔

اماں بی کا خیال ہے کہ شاید یونیورسٹی میں کوئی گانٹھ کا پورا عقل کا اندھا مجھے پسند کر ہی لے۔ یعنی حد ہوگئی خوش فہمی کی۔ اس نے کسی قدر تمسخر سے کہا۔

تو عفت بیگم، اب تم اپنی خوبصورت آنکھوں
سے حیرتوں کے یہ ڈھیر سمیٹ لو، اور۔۔۔

تب ہی خالہ بی کو اندر آتے دیکھ کر اس نے اپنی آواز اونچی کر لی۔

تو پیاری عفت میرا یونیورسٹی جانے کا اصل مقصد پڑھائی نہیں بلکہ اماں بی کے لیے ایک خوبصورت داماد کی تلاش ہے۔ ویسے خوبصورتی کی شرط ضروری نہیں۔

خالہ بی کے چہرے پر زلزلے کے آثار دکھائی دینے لگے۔ جانے اسے خالہ بی کو تنگ کر کے کیا لطف آتا تھا۔ وہ جھینپی جھینپی سی مجھے دیکھ رہی تھیں۔

اس کا تو دماغ خراب ہے بیٹی۔ میں نے تو یہی سوچا آج کل پڑھائی کی بہت قدر ہے یہ بھی چار پڑھ لے گی تو۔۔۔

لوگ اپنے اپنے بیٹوں کے رشتے لے کر اماں بی کے پاس بھاگے چلے آئیں گے کہ اتنی لائق فائق پڑھی لکھی لڑکی پورے پاکستان میں ملنے کی نہیں۔ ہائے اماں بی آپ بھی کتنی بھولی ہیں۔ یہاں پوری کھیپ کی کھیپ پڑھی لکھی لڑکیوں کی موجود ہے اور انہیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔

قمر نے ان کی بات کاٹتے ہو کہا تو خالہ بی نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور ہمیشہ کی طرح عورت کی بیوقعتی کا رونا رونے لگیں۔

عورت کی اتنی بیقدری، اتنی بیوقعتی تو کسی دور میں بھی نہ ہوئی تھی۔ بدر کی دادی پورے تین برس ہمارے گھر کے چکر لگاتی رہیں تب کہیں جا کر اماں نے ان کی بات مانی تھی۔ اور تو اور کالی، چٹی، گونگی بہری سب ہی لڑکیوں کی شادیاں ہو جایا کرتی تھیں۔ یوں ماں باپ کے سینے پر مونگ دلنے کو بیٹھ نہیں رہتی تھیں۔ اللہ بخشے میرے ماموں کو ان کی بیوی لنگڑا کر چلتی تھیں۔ صورت شکل کی بھی کوئی خاص نہ تھیں۔ پر وہ تھے کہ ان کا نام لے لے کر جیتے، مرتے دم بھی لبوں پر اسی کا نام تھا۔

افسوس ہم اماں بی کی ممانی صاحبہ کی زیارت نہ کرسکے جن کے میاں کے دل میں مرتے دم تک ان کی محبت لنگڑی نہ ہوئی تھی۔ وہ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا کر ہنسی تو خالہ بی بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

قمر میری بے حد عزیز دوست تھی۔ اگرچہ ہماری طبیعتوں میں بہت تضاد تھا لیکن ہماری دوستی کی دیواریں بہت پختہ تھیں۔ شاید اس کی وجہ اس کا وہ بیباک پن تھا جس نے مجھے اس کا گرویدہ بنا دیا تھا یا پھر ہمارے گھروں کی وہ مشترکہ دیوار جس پر سے کود کر ہم ایک دوسرے کے گھروں میں جاتے تھے۔ قمر ایسی لڑکیوں میں سے تھی جن کی قسمت کے فیصلے پیدا ہوتے ہی کردیے جاتے ہیں۔ خالہ بی تو اسے دیکھتے ہی کانپ کر رہ گئی تھیں۔

آج کل تو اچھی اچھی شکل والوں کو کوئی نہیں پوچھتا، اسے کون پوچھے گا۔ ہا اللہ جانے کس پر گئی ہے۔

اور اس سے اس نے کچھ اتنی معصوم نظروں سے انہیں دیکھا کہ خالو ابا کی پدرانہ محبت نے جوش مارا۔

تو کیا ہوا ہم اپنی بٹیا کو ڈاکٹر بنائیں گے۔

اور یوں اسے دیکھتے ہی خالہ بی کے دل میں جو اندیشے اٹھے تھے، ان پر کچھ عرصہ کے لئے ٹھنڈی ٹھنڈی برف پڑگئی۔ لیکن اب اس کا کیا علاج کہ اسے تو پڑھائی سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی۔ لاکھ خالہ بی اس کے ہاتھ میں قاعدہ پکڑاتی کہ آر اے ٹی، ریٹ اور سی اے ٹی، کیٹ رٹانے کی کوشش کرتیں، لیکن وہ چھل چھل بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنا بڑا سا سر ہلا جاتی۔ ہمیں نہیں آتا اماں بی، ہمیں نہیں آتا۔ اور اگر کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر قاعدہ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہی دیتیں تو دوسرے ہی لمحے قاعدہ تو نہ جانے کہاں ہوتا اور وہ خود اماں بی کے گرد چکرا رہی ہوتی۔

اماں بی تھوڑے سے چاول دے دیجیے، ہم اپنی گڑیا کی شادی کریں گے اماں بی تھوڑی سی چینی اور اماں بی دیکھیے یہ میں نے گڑیا کے لیے کتنی پیاری رضائی بنائی ہے۔ اس نے کچھ اس قدر نفاست سے ننھی ننھی جھالریں لگا کر گڑیا کی چادریں، میز پوش، پلنگ پوش بنا رکھے ہوتے کہ لمحہ بھر کے لئے خالہ بی کا دل بھی پسیج جاتا، لیکن پھر وہ کسی نہ کسی طرح سمجھا کر پڑھانے بٹھا دیتیں۔

قمر کو اپنی شکل وصورت کے متعلق کسی قسم کا کوئی کامپلیکس نہ تھا۔ یہ پکوڑا سی ناک، لمبا بانس ایسا قد، ارے کمبخت کی آنکھیں ہی ذرا بڑی ہوتیں تو سانولے رنگ پر اچھی لگتیں، میں جل کر سوچتی پر وہاں رنگ ہی کون سا سانولا تھا۔ عجب پیلا پیلا اور کالا کالا سا۔ اس پر اس کے وہ شوخ شوخ چیختے چلاتے رنگوں والے عجب عجب ڈھنگ کے کپڑے، یہ سوکھی سڑی باہیں اور سلیولیس بلاؤز دیکھ کر تو میں جل ہی جاتی۔

توبہ ہے قمر، اگر تم یہ بغیر آستینوں کے جمپر نہ پہنو تو کیا تمہارا کھانا ہضم نہ ہوگا۔

واہ جب ساری لڑکیاں پہنتی ہیں تو ہم کیوں نہ پہنیں، محض اس لیے کہ ہمارے بازو خوبصورت نہیں۔ جسم بیڈھنگا ہے، نہ بابا ہمارا دل ابھی جوان ہے تمہاری طرح بوڑھا نہیں ہوا

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

وہ شرارت سے گنگنانے لگتی۔

دنیا جہان کے فیشن کرنے کے باوجود اس کی روح بے حد سادہ تھی اور اس کے کردار کا سب سے حسین پہلو اس کا سچ تھا۔ وہ سچ بولتے ہوذرا بھی نہ جھجکتی، اور اک دن تو اس نے حد ہی کردی، مس بٹ کے پوچھنے پر کہ وہ ڈاکٹر کیوں بننا چاہتی ہے۔ بڑے اطمینان سے بولی:

دراصل میری اماں کا خیال ہے چونکہ میں بدصورت ہوں اور مجھ سے کوئی شادی نہ کرے گا۔ اس لیے مجھے ڈاکٹر بننا چاہیے۔ اور مس بٹ حیرت سے دانتوں میں پنسل دابے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ شدید قسم کے احساس کمتری کا شکار ہے لیکن وہ تو اعتماد کی وہ پختہ دیوار تھی کہ مس بٹ اس کا احساس کمتری دور کرتے کرتے خود احساس کمتری کا شکار ہوگئیں۔ اس نے ان کی ہر کوشش کا بے طرح تمسخر اڑایا۔

بدر آپا کو بیاہ کر خالہ بی اسے ڈاکٹر بنانے کا خواب دیکھنے لگیں۔ لیکن پہلی بار فراگ کی ڈیسکشن کے لیے جب ان کی کلاس اکٹھی ہوئی اور سر شیرازی نے مینڈک کے مختلف اعضاء کے متعلق لیکچر دینا شروع کیا تو بی قمر کو پہلے تو ایک زوردار ابکائی آئی اور پھر وہ یوں لہرا کر گریں کہ ان کی ساتھی لڑکی نے بمشکل اسے سنبھالا اور پھر گھر آتے ہی اس نے جو خالہ بی کے پاؤں پکڑے تو اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک خالہ بی نے اسے گلے سے لگا کر تسلی نہ دی۔

پلیز اماں بی، مجھ سے یہ چیر پھاڑ نہیں ہوتی۔ وہ روتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی:

اچھی اماں بی میں اپ کی نوکرانی بن جاؤں گی پر اماں بی مجھ سے یہ چیر پھاڑ۔۔۔

اور اسے روتے دیکھ کر خالہ بی کی ممتا امڈ آئی۔۔۔۔۔۔ بھاڑ میں جاؤ ڈاکٹری۔

انہوں نے اسے بے اختیار گلے سے لگالیا۔ اور یوں وہ میری طرح آرٹس پڑھنے لگی۔ اور میں اس کے کچھ اور قریب ہوگئی۔ چند دن قبل ہی بی اے کا رزلٹ آیا تھا اور مجھے حسب توقع ایڈمیشن کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ایڈمیشن نہ لینے کے تصور سے افسردہ سی ہو کر میں نے قمر کی طرف دیکھا۔

تمہیں خالہ بی کیسامنے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔

چھوڑو دوست کوئی اور بات کرو۔

وہ لاپروائی سے بولی۔ یہ بی اماں والا منصب تمہیں نہیں سجتا، وہ میری نصیحتوں سے بہت چڑتی تھی۔

اچھا تو پھر کچھ یونیورسٹی کے متعلق بتاؤ۔ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔ تو وہ اچھل کر سیدھی ہوگئی۔

واللہ یونیورسٹی کاہے کو ہوئی عجائب خانہ کہو، عجائب گھر اور اس عجائب گھر کی ایک خاص الخاص شے ہیں کزن۔

کزن میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

ہاں بھئی کزن۔ اور ان کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ نمبر اول وہ کزن ہیں جن کے پاس یہ لمبی

لمبی گاڑیاں ہوتی ہیں اور میں پچیس سال سے لے کر ادھیڑ عمر تک کے کزن بآسانی نظر آسکتے ہیں۔ یہ عموماً مقررہ وقت پر آتے ہیں۔ صورت سے امارت ٹپکتی ہے اور کسی قدر موٹاپے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ عموماً گاڑی سے اترنے کی بہت کم زحمت کرتے ہیں۔ آپس میں ہیلو ہا کا تبادلہ ہوتا ہے۔ گاڑی کا اگلا دروازہ کھلتا ہے اور گاڑی زن سے آگے بڑھ جاتی ہے دوسری قسم کے کزن وہ ہیں جن کی اپنی گاڑیاں تو نہیں ہوتیں کسی دوست وغیرہ کا سکوٹر مانگ کر لایا جاتا ہے۔ اکثر ٹیکسی سے بھی کام چل جاتا ہے۔ یہ لمبے لمبے بال کندھے پر بکھرے ہو خالص فلمی ہیروؤں کے سے انداز میں گاگلز چڑھا کیمپس کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان کزنوں کی ہے جو کزن سے زیادہ چچازاد اور خالہ زاد ہوتے ہیں۔ ان سے ملاقات کے لیے باقاعدہ خانہ پری ہوتی ہے۔ خوب اچھی طرح دوپٹہ لپیٹے ماتھے پر ہزاروں بل ڈالے جلدی جلدی یوں دو چار باتیں ہوتی ہیں۔ جیسے گاڑی چھوٹنے والی ہو یا نہ جانے کتنے ضروری کام اٹکے پڑے ہوں۔۔۔ وہ بے حد سنجیدگی سے مجھے کزنوں کی اقسام بتا رہی تھی، کہ میں ہنستے ہو اٹھ کھڑی ہوئی۔

تم نے تو چند ہی دنوں میں اچھی خاصی معلومات اکٹھی کر لیں۔

ابھی کہاں، ابھی تو میں نے تمہیں کچھ بھی نہیں بتایا۔ بیٹھو نا۔

لیکن مجھے دیر ہو رہی تھی اس لیے میں اسے دوبارہ ملنے کا کہہ کر چلی آئی۔

یونیورسٹی سے اکثر وہ ہمارے ہاں آتی اور پھر دن بھر کی رپورٹ بتا کر دیوار پر سے دوسری طرف کود جاتی۔ شوخی اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کمبخت غالب کی طرح اپنا مذاق اڑاتی اور خوش ہوتی کہ لو بھئی غالب کو ایک جوتی اور پڑی۔ ایک دن جو آئی تو ہنستے ہنستے برا حال تھا۔

بہت خوش نظر آ رہی ہو کیا کوئی مہربان ہو گیا؟

ارے خاک مہربان ہو گا کوئی اس شکل وصورت پہ۔

اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور فائل میز پر رکھتے ہو بولی۔ پتہ ہے عفی آج میں زبردستی بدر آپا کو یونیورسٹی لے گئی۔ تو وہ چڑی مار ہمایوں کہنے لگا۔ کیا یہ آپ کی سگی بہن ہیں۔ میں نے کہا سو فیصد، تو مسکرا کر بولا، یہ تو سچ مچ بدر ہیں اور آپ معاف کیجیے گا، آپ کا نام کچھ مناسب نہیں لگتا میں نے ذرا زور دے کر کہا۔ کیسے مناسب نہیں تو گھبرا کر کہنے لگا۔۔۔ جج جی۔۔۔ مناسب ہے ہی بالکل مناسب۔۔۔

میں نے کہا بالکل مناسب ہے صاحب، میری
مثال امریکنوں کے چاند پر اترنے کے بعد کی ہے۔

کیوں ٹھیک کہا نا عفی۔ وہ ہنستے ہو پوچھنے لگی تو میں بھی ہنس دی۔ غرض وہ ہر روز ایک نیا شگوفہ چھوڑتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے ہر روز اس کا انتظار رہتا تھا۔ اگر وہ نہ آتی تو میں خود ہی اس کے ہاں چلی جاتی۔ ایک دن جو میں گئی تو وہ ڈریسنگ ٹیبل پر بیشمار کاسمیٹکس بکھرا بیٹھی تھی۔

ارادے خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے اسے میک اپ کرتے دیکھ کر کہا۔

ہاں، میں نے سوچا ہم پر تو کوئی مرنے سے رہا۔ ہم ہی کیوں نہ کسی پر مر جائیں۔

اس نے خالص لوفروں کے سے انداز میں بائیں آنکھ کا کونا دبایا تو میں برا سا منہ بناتے ہو کرسی پر بیٹھ گئی۔

دراصل میں آج زیدی کے ساتھ پکچر پر جا رہی ہوں۔

اس نیمو کر مجھے اطلاع دی۔ حد ہوگئی تو اب محترمہ لفنگے پن پر اتر آئی ہیں۔ مجھے غصہ آ گیا۔

یہ کیا حماقت ہے قمر؟

بس۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ تم اپنا نانی اماں والا پٹارہ مت کھولنا۔

بہتر۔ میں سنجیدہ ہوگئی۔

میرے لہجے کی سنجیدگی سے چونک کر وہ مڑی اور میری کرسی کے ہتھے پر آ بیٹھی۔ پتہ ہے عفی، یہ جو زیدی ہے وہ اپنی دوست ہے نا کشور اس کا فیانسی ہے۔

تو گویا اس سے عشق لڑا کر حق دوستی ادا ہو رہا ہے۔ میں نے تلخی سے کہا،

توبہ عشق کون لڑا رہا ہے۔ وہ تو آج کل دونوں ناراض ہیں اس لیے۔

تم نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

میں بدستور تلخ ہو رہی تھی۔ اوں ہوں۔ وہ لاڈ سے بولی۔ اتنی منتیں کر رہا تھا صلح کروا دو اور وہ بیچاری کشور بھی صلح کے لیے مری جا رہی تھی۔ میں نے سوچا دونوں کی وہیں پر صلح کروا دوں گی۔

اور پھر اماں بی نے بھی کہا چلی جاؤ۔

اماں نے؟ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

ہاں وہ کل اپنی کار میں چھوڑنے آیا تھا نا مجھے میں نے سوچا اب بغیر چا پلوا بھیجنا بداخلاقی ہے اور وہ اماں کے سامنے ہی تو پکچر پر جانے کے لیے اتنی منتیں کر رہا تھا۔ اماں نے بھی یہ سوچ کر اجازت دے دی کہ اچھا لڑکا ہے کیا پتہ پھنس جا۔ اب اماں کو کون سمجھا۔ اچھا بھلا سب کچھ جانتے ہوئے بھی میرے جہیز کے لیے یوں ڈھیروں چیزیں اکٹھی کر رہی ہیں جیسے کوئی شیر دل خان ان کی اس سنک سلائی سی بٹیا کو روئی میں لپیٹ کر لے جا گا۔

اس نے کچھ یوں منہ بنا کر اور اپنے دبلے پتلے بازو ہوا میں لہراتے ہو کہا کہ مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

خدایا تیرا شکر ہے، کچھ تو موڈ ٹھیک ہوا۔

وہ کرسی کے ہتھے سے اٹھ کر دوبارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لینے لگی اور پھر ہونٹ لٹکا کر بولی۔

ساری محنت اکارت گئی۔

کیوں، کیا وقت نہیں رہا۔ میں نے پوچھا۔

نہیں بھئی اب جا کون رہا ہے یہاں۔

تو روکا کس نے ہے چلی جاؤ۔

اور یہ جو تمہارا منہ پھول کر کپا ہو رہا ہے جیسے بھڑوں نے کاٹ لیا ہو۔ وہ میک اپ صاف کرنے لگی۔ اور اب وہ بیچارہ وہاں انتظار میں سوکھ رہا ہوگا۔

بہت ترس آ رہا ہے تو چلی جاؤ نا۔ میں نے شرارت سے کہا۔

تمہیں ناراض کر کے تو میں جنت میں بھی نہ جاؤں۔

وہ سنجیدہ ہوگئی اور مجھے اس پر، خود پر اور اپنی دوستی پر فخر محسوس ہونے لگا۔

سرمد نے یوں اچانک اپنے متعلق میری راو دریافت کی کہ لمحہ بھر کے لئے میں کچھ بھی ہی نہ سکی۔

دراصل عفت۔

مجھے حیرت سے اپنی طرف تکتے پا کر انہوں نے سگریٹ سلگاتے ہو کہا:

مجھے تم سے یہ سب کچھ کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ فرخ تمہیں مجھ سے پہلے ہی پرپوز کر چکے ہیں۔ میں نہ تو تمہاری ذہانت سے مرعوب ہوں اور وہ تمہارے حسن سے متاثر۔ ظاہر ہے وہ سچ ہی کہہ رہے تھے۔ کیونکہ ہمارے خاندان میں ڈھیروں حسن بکھرا پڑا تھا۔ ایک سے ایک حسین لڑکی تھی۔ پھر بھلا میری اس گندمی رنگت میں کیا دھرا تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

تم عام لڑکیوں سے بالکل الگ ہو اور تمہاری یہ انفرادیت پسند میرے دل کو بھا گئی ہے۔

میں نے بہت پہلے جب تمہیں۔۔۔

سرمد میری تعریف کر رہے تھے اور میرا رنگ گلابی ہو رہا تھا۔ ہر لڑکی کی طرح میں اپنی تعریف سے خوش ہو رہی تھی۔ مرد اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے اسی لیے جب وہ کسی عورت کو زیر کرنا چاہتا ہے تو اسکی تعریف کرنے لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں کی، اس کے چہرے کی، اس کے بالوں کی، اور بدصورت ہوتے ہوبھی جب عورت خود کو دنیا کی حسین ترین لڑکی سمجھنے لگتی ہے تو اس وقت وہ مرد سیمات کھا جاتی ہے۔

میں چاہتا ہوں عفی جب تم سے میرے بارے میں راو دریافت کی جا تو فیصلہ کرتے وقت میرے متعلق بھی سوچ لینا۔ فرخ کی اگر تم سے شادی نہ بھی ہوئی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن تم میرا آئیڈیلٹ ہو۔ ایک ایسی لڑکی جو عام لڑکیوں سیا لگ ہو، اگر مجھے میرا آئیڈیل نہ ملا تو۔۔۔

ضروری تو نہیں کہ میری راو دریافت کی جا۔

میں نے آہستگی سے ان کی بات کاٹی تو وہ طمانیت سے مسکرا۔ فرخ اگر ماموں جان کے بھتیجے ہیں تو میں ان کا بھانجا۔ لہذا فیصلے کا انحصار ہر حال میں تمہاری راپر ہوگا۔ لیکن عفی کیا تم مجھے اطمینان نہیں دلاؤ گی۔

میں گھبرا گئی، اب بھلا میں ان سے کیا کہتی۔ میں نے تو ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ سرمد میری گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہو نہایت بے بیبا کی سے مجھے دیکھ رہے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور قمر نے اندر آتے ہی فائل حسب معمول میز پر پٹخی۔ میں نے اس کی آمد کو تائید

غیبی سمجھتے ہو جلدی جلدی دونوں کا تعارف کروایا اور چائے بنانے کے لیے چل دی جب واپس لوٹی تو قمر اپنی مخصوص بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی اور سرمد اسے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔تمہاری دوست بہت دلچسپ ہے عفی۔

دریں چہ شک ہے۔میں ہنستے ہو چائے بنانے لگی۔چائے پیتے ہی سرمد جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ میں انہیں رخصت کر کے پلٹی تو قمر نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔لڑکا کچھ برا نہیں،لیکن پیاری عفت اب ذرا جلدی سے شروع ہو جاؤ۔

میں نے اسے ساری بات بتا دی۔

ہوں،اگر پہلے ہی پتہ ہوتا تو اچھی طرح ایکسرے لیتی۔

کل سہی۔میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ اور میں سرمد کے متعلق سوچنے لگی۔اب تمام تر انفرادیت پسندی

باوجود میں ایک عام لڑکی کی طرح سوچ رہی تھی اور سرمد ہولے ہولے میرے دل کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ان کا وہ وجیہہ سراپا۔دیکھنے کا وہ والہانہ انداز بار بار مجھے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ مجھے فیصلہ امی اور ابو پر چھوڑ دینا چاہیے۔ میں نے اس سے سوچ سے اپنے آپ کو مطمئن کرنا چاہا۔لیکن سرمد ہولے ہولے میرے کانوں میں سرگوشی کر رہے تھے۔اگر محبت اسی جذبے کو کہتے ہیں تو میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ عفی اور مجھے یقین ہے تمہارا دل اس محبت سے انکار نہیں کرے گا۔ہاں میں۔۔۔سرمد میں بھی۔اور مجھے اپنی اس تھرڈ کلاس سوچ پر غصہ آ گیا۔نہیں مجھے سرمد سے کوئی نہیں۔میرے نزدیک محبت تو وہ مقدس جذبہ ہے جو وقت آنے پر مجھے اس شخص کے سپرد کرنا ہے جو دنیاوی طور پر میرا مختار کل بنا دیا جائے گا۔میں نے اپنے آپ کو تنبیہہ کی،لیکن سرمد نے میرے دل کی منڈیر پر یہاں وہاں نہ جانے کتنی شمعیں روشن کر ڈالیں اور میری وہ انفرادیت پسندی،وہ سارے اصول دھرے کے دھرے رہ گئے اور میں سرمد کے تصور میں کھو گئی۔

دوسرے دن دادی جان کی بیماری کی وجہ سے امی اور ابو کچھ عرصہ کے لیے گاؤں چلے گئے ۔سرمد اس دوران باقاعدگی سے آتے رہے اور شام کی چائے ہم سب یعنی قمر اور سرمد اور میں اکٹھے ہی پیتے۔میں نے محسوس کیا کہ سرمد رفتہ رفتہ قمر کی بے جھجک گفتگو اور اس کے بیباک پن سے متاثر ہو رہے تھے۔ وہ اکثر قمر کی موجودگی میں مجھے بالکل نظر انداز کر دیتے۔تب میرے اندر کا جی روتا اور میرا دل دکھتا اور میرے دل میں شدت سے یہ تمنا پیدا ہوتی کہ وہ مجھ سے اس دن والی بات کا جواب مانگیں۔مجھ سے پوچھیں۔

عفی،کیا تم مجھے اطمینان نہیں دلاؤ گی۔

اور میں ان سے کہوں کہ میرا دل تو نہ جانے کب سے آپ کے حق میں فیصلہ کر چکا ہے لیکن سرمد تو میرے دل میں محبت کی شمعیں جلا کر خود انجان بن گئے تھے۔میرے اندر کی عورت بیدار ہو رہی تھی۔اور میں اسے تھپک تھپک کر سلا رہی تھی لیکن مجھے اب قمر کا وجود کھٹکنے لگا تھا۔اپنی بلند اور اونچی سوچوں کے باوجود میں قمر سے جلنے لگی تھی۔لاشعور میں چھپی خواہشوں نے شعور میں

آ کر یوں اودھم مچایا کہ مجھے اپنی بلند سوچوں اور اپنی وسیع القلبی کے ماتم کرنے کا بھی ہوش نہ رہا۔قمر کو دیکھتے ہی میری پیشانی شکن آلود ہو جاتی ،لیکن مجھ میں قمر کی طرح بیبا کی نہیں تھی ۔مجھ میں اس سچ کا فقدان تھا مجھ میں اتنی جرات نہ تھی کہ میں اسے گھر آنے سے روک دیتی ، اسے منع کر دیتی ۔کہ سرمد کی موجودگی میں وہ نہ آیا کرے۔ وہ آتی رہی اور سرمد اس کے زیادہ قریب ہوتے گئے ۔ اس دن بھی وہ دونوں جانے کون سی بحث میں الجھے ہوتے اور میں افسردہ سی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی کہ قمر نے چونکتے ہو کہا۔ارے عفی وہ۔۔۔وہ۔

اسے جب بھی کوئی بات یاد آتی تو وہ یونہی بوکھلا جایا کرتی تھی۔

ارے وہ۔۔وہ ہے ناگل بادشاہ، وہی اپنے ڈپارٹمنٹ کا دیہاتی سا لڑکا۔ میں نے بتایا تو تھا تمہیں۔دراصل میں آج کل بڑی سدت سے اسی پر عاشق ہونے کی کوشش کر رہی تھی ،لیکن آج سارا کھیلا ہو گیا۔۔۔

وہ سرمد کی موجودگی میں بے نیاز کہے جا رہی تھی۔

آج جب ہم دونوں کیفے ٹیریا میں چا پی رہے تھے کہ اچانک ہی مجھ سے معذرت کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے دیکھا تو نزہت کی طرف جا رہا تھا۔ وہی کالی کلوٹی لیلی کی بہن ، کمبخت موٹی آنکھوں پر مرتا ہے۔ خواہ بھینس کے دیدے ہی کیوں نہ ہوں۔ آنکھوں کا حسن دیکھنا ہے تو تمہیں دیکھے۔اس نے یکدم ہی باتوں کا رخ میری طرف پلٹ دیا۔

سچ تمہاری آنکھیں اور بال اتنے پیارے ہیں کہ بعض اوقات میرا دل بھی مچل جاتا ہے۔

دراصل ۔ میں نے کسی قدر تفاخر سے اپنے بال ہاتھوں پر لپیٹتے ہو سرمد کی طرف دیکھا۔ لمبے گھنے بال اور خوبصورت آنکھیں ہمارا خاندانی ورثہ ہیں۔

یہ بے حد غلط بات ہے عفی کہ تم ہر خوبصورت شے پر خاندانی کا لیبل لگا کر قبضہ جما بیٹھی ہو۔بھئی آج کل عوامی دور ہے۔ ہر شے عوامی ہونی چاہیے۔قمر نے شرارت سے کہا۔

اب کہو عفت ۔سرمد ہنسے۔اب تو تمہیں اپنی خوبصورتی میں قمر کو حصہ دار بنانا چاہیے۔

اگر ایسا ممکن ہوتا تو میں قمر کو کچھ دینے میں بخل سے کام نہ لیتی ۔میں نے سنجیدگی سے کہا۔

قمر نے غرور سے مجھے دیکھا۔عفت کی دوستی پر مجھے بیجا فخر نہیں ہے۔

ہوں۔ سرمد کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی اور وہ براہ راست میری آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ اگر قمر تم سے کسی ایسی شے کا مطالبہ کرے جو تمہیں بے حد عزیز ہو، تو کیا تم۔۔۔

ہاں۔ میں نے انہیں بات مکمل کرنے نہ دی۔ میں قمر کے لیے اس شے سے دستبردار ہو جاؤں گی۔

میں نے بظاہر مسکراتے ہو کہا،لیکن اندر ہی اندر میرا دل انجانے خدشوں سے ڈوبنے لگا۔ اور میں چا بنانے کے بہانے وہاں سے ہٹ آئی۔

سرمد نے قمر کے متعلق اپنی را کا اظہار کر کے مجھے ایک شدید کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔اور

یہ ٹھکرا جانے کا کرب تھا۔ سرمد ہمیشہ انوکھی اور منفرد چیزوں سے متاثر ہوتے تھے۔ اور ان کا قمر سے متاثر ہو جانا کم از کم میرے لیے کوئی انہونی بات نہ تھی۔ اس کی وہ بے جھجک گفتگو، اس کا وہ بیباک پن۔ مجھے تو یہ دکھ مارے جا رہا تھا کہ سرمد نے مجھ پر قمر کو ترجیح دی تھی۔ میری انا زخمی ہو کر تڑپ رہی تھی۔

تم بہت چپ ہو عفی۔

سرمد نے کہا تو میں چونک کر اپنے آپ میں آ گئی۔ آخر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟

میں نے ایک بار تم سے درخواست کی تھی عفی کہ فیصلہ میرے حق میں کرنا اور اب میں چاہتا ہوں تمہارے رافرخ کے حق میں ہو۔

بہت خوب۔ میں نے تلخی سے کہا۔ آپ خود ہی اپنا پرپوزل واپس لے لیجیے۔

اس میں تمہاری ہی نہیں ماموں جان کی بھی انسلٹ ہے۔ سرمد نے آہستگی سے کہا اور باہر نکل گئے۔

سرمد نے مجھے اچانک جس الجھن میں ڈال دیا تھا۔ میں ابھی اس سے نکل بھی نہ پائی تھی کہ قمر آ گئی اور آتے ہی اس نے اپنے مخصوص انداز میں نعرہ لگایا۔ ارے بھئی ایک نہایت دھماکا خیز خبر سنی تم نے۔۔۔ سرمد چند دنوں تک مجھے پرپوز کرنے والے ہیں۔ ہے نا حرت کی بات۔

میں نے اپنے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کو گود میں رکھتے ہو خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

تمہیں کوئی بھی شخص اپنی شریک زندگی بنا کر فخر محسوس کرے گا عفی۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہو میری طرف دیکھا۔ لیکن میں۔۔۔ مجھے سرمد کے علاوہ شاید ہی کوئی پرپوز کرے۔

لمحہ بھر کے لئے میرا دل اسکی ہمدردی میں گداز ہوگیا۔ ہر انسان کو زندگی میں صرف ایک بار چانس ملتا ہے۔ اس نے کرسی سے سر ٹیکتے ہو کہا۔ اور مجھے بھی ایک چانس مل رہا ہے اور میں اپنی ناعاقبت اندیشی سے اس چانس کو کھونا نہیں چاہتی۔

ہاں ہر انسان کو زندگی میں صرف ایک بار موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے حصے کی خوشیاں اپنی جھولی میں بھر لے لیکن اگر وہ اس موقع کو کھو دے تو پھر زندگی بھر خوشیوں کے لئے ترستا رہتا ہے۔

میں نے اس کے خوشی سے دمکتے ہو چہرے کو دیکھ کر سوچا اور میری زخمی انا نے مجھے چیخ چیخ کر اپنے ٹھکرا جانے کا احساس دلایا۔ تب میں نے چاہا کہ آگے بڑھ کر اپنے حصے کی خوشیاں اپنی جھولی میں بھر لوں، اور قمر اپنی انکھوں میں خوبصورت خواب سجا دیکھتی رہ جا۔ میں اپنا فیصلہ سرمد کے حق میں دے دوں اور پھر سرمد کی بے بسی اور بوکھلاہٹ پر خوب قہقہے لگاؤں۔ لمحہ بھر کے لیے انتقام کے اس انوکھے خیال نے میری روتی کرلاتی انا پر جیسے برف کے ٹھنڈے پھاہے رکھ دیے اور میں نے دل ہی دل میں اپنے فیصلے کو تولتے ہو قمر کی طرف دیکھا۔ جو مجھ

سے بیاز آنکھیں بند کیے کرسی پر جھول رہی تھی اور ایک حسین مستقبل کے تصور نے اس کے چہرے پر سکون بکھرا دیا تھا۔ لیکن میں ایک واضح فیصلہ کرنے کے باوجود کتنی بے سکون تھی۔ اے کاش اماں بی نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی سرمد کو چن لیا ہوتا لیکن وہ تو رات ہی مجھ سے میری را پوچھ چکی تھیں۔ جس کا جواب اب مجھے دینا تھا اور جب میرے اس فیصلے کا قمر کو علم ہوگا تو اس کی خواب دیکھتی آنکھوں میں دھول اڑنے لگے گی۔ جیسے کسی نے اسے صحراؤں میں دھکیل دیا ہو۔ اور وہ اپنے جلتے تلوؤں کو سہلاتے ہوا پنی دھول اڑ آتی آنکھوں میں حیرانی بھرے مجھے دیکھتی رہ جا گی لیکن بھلا میں اسکے لیے کیا کرسکتی ہوں۔ قصور تو اس کا اپنا ہی ہے کہ جب اسے صحراؤں میں جلنا ہی تھا تو اس نے اپنی آنکھوں میں سربزہ زاروں کے لیے یہ خواب کیوں سجاء۔ میں نے اپنے اپ کو مطمئن کرنا چاہا۔ لیکن کوئی متواتر میرے کانوں میں سرگوشیاں کرر ہا تھا۔

تم نے کچھ تو اپنی باتوں کا بھرم رکھا ہوتا۔ عفت بی بی، اے کاش تم نے اس دوستی کی رتی بھر ہی لاج رکھ لی ہوتی۔ جس کا تمہیں دعوی تھا۔ سوچ کو مفلوج کر دینے والی کیفیت نے مجھ سے فیصلہ کر لینے کی صلاحیت چھین لی تھی۔ اپنے ٹھکرا جانے کا انتقام لوں یا پھر قمر کو اس کے خواب لوٹا دوں۔ اور دوستی کے عظیم اور مقدس رشتے کو ٹوٹنے س بچالوں طویل کشمکش کے بعد میں نے سر اٹھا کر قمر کی طرف دیکھا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ قمر امی جان سے کہہ دو کہ میری رافرخ کے حق میں ہے۔ میں نے چونک کر انکھیں کھول دیں اور نڈھال سی ہو کر کرسی کی پشت سے سر ٹیک لیا۔ میں بے حد تھک گئی تھی۔ میں نے ایک لمبا سفر طے کیا تھا خود غرضی کی طرف اپنے وجود سے دوسرے وجود کی طرف۔

فرخ بہت اچھے ہیں سرمد سے بھی اچھے۔ قمر اٹھ کر میرے قریب چلی آئی۔

لیکن دل کے دروازے تو صرف ایک ہی بار کھلتے ہیں قمر رانی۔

میں نے اپنے آپ سے کہا اور بے اختیار امڈ آنے والے آنسو اپنے اندر اتار لیے۔

تم۔۔ تم کتنی اچھی ہو عفی۔ مجھے یقین تھا کہ تمہیں سرمد سے کوئی لگاؤ نہیں۔ بخدا، اگر تمہیں سرمد سے ذرا سا بھی لگاؤ ہوتا۔ تو میں اپنے اس پہلے اور آخری چانس کو کھو کر بھی خوشی محسوس کرتی۔

قمر نے میرے گلے میں بانہیں حمائل کرتے ہوئے خوشی سے لبریز آواز میں کہا تو میں نے گھبرا کر اپنے دل کی منڈیر پر جلتی ساری شمعیں ایک ہی پھونک سے بجھا ڈالیں اور ان بجھتی شمعوں کے دھوئیں نے میرے سارے وجود کو گھیرے میں لے لیا۔

اختتام ------------------------ The End